مولانا اصلاح الدین حقانی

عورت کی سربراہی
اور
شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی آئینی مساعی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ان کو ان کے جائز حقوق دلوانے کے لئے آپ نے بھرپور کوششیں بھی کیں۔ اسمبلی کے اندر اور اس کے باہر ہر موقعہ پر انہوں نے عورتوں پہ مظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان پہ بے جا پابندیوں اور ان کی ناحق شنوائیوں کے خلاف سرحد کے بعض علاقوں کے کٹر روایت پسند ماحول میں بھی صدائے حق بلند کی۔ حتیٰ کہ اس موقع پہ آپ کی تقریروں سے بعض مقامات پہ جاہل روایت پسند اور رواجات میں گھرے ہوئے مسلمان نالاں بھی رہتے تھے۔ ان کے خیال میں مولانا مرحومؒ کی تقریروں سے عورتوں کے بے لگام ہونے کا خدشہ تھا۔ جب کہ آپ نے عورتوں پہ ناجائز مظالم کے خلاف آواز اٹھائی تھی اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی سطح پر عورتوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے ازالہ کے لئے آپ نے اسمبلی کے اندر انتھک کوششیں کیں۔

چنانچہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲ء کو عائلی قوانین کے بارے میں قومی اسمبلی میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا :۔

> خواتین کا احترام اور ان کے حقوق کی حفاظت کا سب سے پہلے اسلام ہی نے حکم دیا ہے اور اسلام ہی نے وراثت میں عورتوں کا حصہ رکھا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ علماء ہی کی کوششوں کا تو نتیجہ ہے کہ انگریزوں کے دور یعنی ۱۹۳۵ء سے لے کر اس وقت تک صوبہ سرحد کی عورتوں کو میراث میں شریعت کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں ہماری بہنیں یہ نہ سمجھ لیں کہ اس جانب جو لوگ بیٹھے ہیں وہ خدانخواستہ عائلی قوانین کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ ان کے قلوب میں صنف نازک کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔

اسی تقریر کے دوران آگے فرمایا :۔

> موجودہ معاشرے میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جس کا حکم اسلام دیتا ہے اس لئے

نہیں اس معاشرے کی اصلاح کرنی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی معاشرتی حالت بھی آپ کے سامنے ہے چنانچہ اسلام نے معاشرے کی اصلاح کی اس لئے معاشرے کی وجہ سے قوانین الٰہیہ کو بدلا نہیں جا سکتا: نکاح پر پابندی مت لگائیے بلکہ عدل اور قانون کے دروازوں کو آسان بنائیے: تاکہ شہر اور محلے میں جس عورت کو اپنے شوہر سے یہ گلا ہے کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو تو ریشم کے کپڑے لاکر دیتا ہے اور اسے اچھی نگاہ سے بھی دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی بیوی پر کما حقہ توجہ نہیں دیتا تو وہ اس پر حقوق زوجین کے تحت کسی شہری عدالت میں دعویٰ کر سکے۔ اور عدالت اسے جبراً پہلی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت دے سکے۔ آخری بات دیکھنے کی یہ ہے۔ کہ کیا ایک عورت کسی ایسے مرد سے کہ جس کی بیوی ہے اپنی مرضی سے نکاح کر کے اس کی بیوی بننا چاہتی ہے یا بالجبر۔ اگر وہ اپنی مرضی سے نکاح کر رہی ہے تو آپ اس کے نفس اور اس کے اختیارات پر قدغن لگانے والے کون ہیں اور اسے کیوں روکتے ہیں۔ یہ عورت پر ظلم نہیں تو کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ عائلی قوانین عورتوں کے حقوق غصب کرنے اور ان پر مظالم ڈھانے کی مثالوں سے پر ہیں[۱]

مزید فرمایا:۔

ایک شوہر مہینوں مہینوں ایک بیوی کے گھر میں نہیں رہتا۔ ایک بیوی کو ریشم کے کپڑے اور ایک کو کھدر کے کپڑے دیتا ہے۔ کھانے پینے میں بھی فرق کرتا ہے۔ لیکن اسلام اسے پابند بناتا ہے کہ دوسری بیوی آنے کے بعد جس نظر سے وہ اس کو دیکھے گا اس کے مطابق وہ پہلی کو بھی دیکھے گا۔ ہمارے پاس شرعی قوانین اور تعزیرات ہیں ہم عدالتی کارروائی کے ذریعے اس شوہر کو قید کر سکتے ہیں۔ اس کو سزا دے سکتے ہیں اور جبراً اس سے اس کا حق نفقہ دلوا سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں پہلی بیوی کی بھلائی ہوگی۔ میں مانتا ہوں کہ خواتین پر ظلم نہیں ہونا چاہئے ہر انسان کو ہر مرد کو اور ہر عورت کو اس کے حقوق دینے چاہئیں۔

اس وقت ملک میں مردم شماری ہو رہی ہے۔ چند دنوں میں رپورٹ سامنے آجائے گی

---

[۱] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۲، ۲۱۳

میرا خیال ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے ۔ اگر فرض کیا جائے کہ مرد اور عورتیں برابر بھی ہیں تو اس صورت میں بھی کم از کم دس لاکھ آدمی پاکستان میں ایسے ہوں گے جو نکاح کے قابل نہیں کیونکہ وہ غریب ہیں وہ ان کے کھانے کا بندوبست نہیں کر سکتے ۔ تو شریعت انہیں نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی ۔ تو اس طرح جو دس لاکھ مفلس ہیں اور افلاس کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تو اس کے مقابلے میں دس لاکھ عورتیں بچیں گی ۔ آپ نکاح ثانی ممنوع قرار دیتے ہیں تو اس صورت میں دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی ؟ مجبوراً داشتائیں بن کر گلی کوچوں میں پھریں گی ۔ کچھ مرد مریض بھی ہوتے ہیں ۔ نامردی میں مبتلا ہوتے ہیں جو شادی کے قابل نہیں ہیں ۔ فرض کیا ایسے مردوں کی تعداد پاکستان میں دس لاکھ ہے تو دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی[1]

۱۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کو جب قومی اسمبلی کی خاتون رکن بیگم نسیم جہاں نے خواتین کی حیثیت متعین کرنے کے لئے ایک کمیشن کے قیام سے متعلق اپنی قرارداد پیش کی ۔ اس قرارداد کا لب لباب حقوق نسواں کے نام سے بے لاگ آزادی کا مطالبہ کرنا تھا ۔ تو حضرت مرحوم نے عورت کے بارے میں اسلام کا رویّہ ، فطری قوانین اور عورت پر اسلام کے عظیم احسانات کی توضیح کرتے ہوئے مفصل تقریر فرمائی ۔ جس کے آخر میں آپ نے فرمایا :۔

ہم نے یورپی تہذیب کی تقلید میں اور جہالت کی وجہ سے اسلام کو ہوّا سمجھ لیا ہے ایک اور بات یہ ہے کہ حقوق الگ چیز ہیں اور اس نام پر آزادی اور ترقی پسندی الگ چیز ہے ۔ اسلام عورت کی بے پردگی کی اجازت نہیں دیتا ۔ یہ خطرات سے مقابلہ ہے ۔ آپ دودھ ، گوشت بلّی کے سامنے رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس میں دخل اندازی نہ کرے ۔ اسلام عورت کو غنڈوں ، بدمعاشوں ، بلوں اور کتّوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے ۔ وہ اسے ہیرے اور جواہرات کی طرح حفاظت کی چیز سمجھتا ہے ۔ آج ہم عورت کی تذلیل دیکھ رہے ہیں مغربی تہذیب کی وجہ سے وہ شمع محفل بن گئی ۔ ٹکے ٹکے کی چیزوں پر اس کی ننگی تصویر ۔ صابن پر اس کی تصویر ہر چیز کے بیچنے کے لئے عورت کو استعمال کیا جا رہا ہے ۔ اخبارات میں اس کی عریاں اور بے ہودہ تصویر چھپتی ہے ۔ ہر مرد کی نگاہ ہوس اس پر پڑتی ہے اور اسے یورپ نے کھلونا بنا دیا ہے ۔ یہ ترقی نہیں

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۴، ۲۱۵

تحقیر اور تذلیل ہے۔ میں بیگم نسیم جہاں کی قرارداد پر گذارش کروں گا کہ بے شک عورتوں کی حیثیت کا کمیشن بنایا جائے۔ حق طلب کئے جائیں۔ مگر وہ حقوق جو اسلام کے دائرہ میں ہوں۔ مخلوط تعلیم سے اور بازاروں میں گھومنے پھرنے سے عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام نے حج جیسی عبادت کے لئے بھی بغیر محرم سفر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں بیرونی دوروں اور تفریحات کو حقوق کا نام دیا جا رہا ہے۔ بہرحال میں اس قرارداد کے سلسلے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کی ان تمام سرگرمیوں اور ترقیوں کو اسلام کے دائرہ میں لایا جائے جو اسلامی احکام کے خلاف ہیں[1]

آپ خواتین پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے کے قائل نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے خواتین کو سخت اور محنت طلب مناصب سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ بیگم نسیم جہاں نے اسمبلی میں خواتین کے لئے رضا کار تنظیموں کے قیام کی تجویز پیش کی تو مولانا نے فرمایا:۔

اگر خدانخواستہ عورتوں کی ایسی رضا کار تنظیمیں آج بھارت کے قبضہ اور قید میں ہوتیں تو ہمارا کیا حشر ہوتا اور خواتین افواج کے ہاتھوں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے[2]

عورت کو جو تقدس اسلام نے دیا ہے اس کی بحالی کے لئے آپ نے بار بار اسمبلی میں اس بات پر زور دیا کہ ناچ گانے اور کلبوں کی لعنت کو ملک سے ختم کرنا چاہئے۔ اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے وہ اسلامی اقدار کے احیاء کا مطالبہ کرتے رہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ مرد کے دوش بدوش عورت کو کام کرنے کی اجازت دلوانے اور عورت کو مرد کے ہم پلہ بنانے کے سخت خلاف تھے۔ وہ ہر شعبہ میں عورت اور مرد کی کلی مساوات کو فطرت کا مقابلہ سمجھتے تھے اس لئے وہ اس مساوات کو مشروط و محدود کرنا ضروری سمجھتے تھے ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء کو آئین کے دفعہ ۳۶ پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

دفعہ ۳۹ سے (صنف نازک اور مرد کی عدم مساوات کے سلسلے میں) ہماری تائید ہوتی ہے۔ وہاں تو تمام شعبوں میں عورت کو مکمل مساویانہ حیثیت دی گئی ہے اور یہاں کہا گیا ہے کہ بچوں اور عورتوں کو بعض ایسے پیشوں پر مامور نہ کیا جائے گا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بعض شعبے ایسے بھی ہیں جو عورتوں کے لئے مناسب نہیں۔ تو عورتوں کو کلی

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۲۰/۲۱۹ [2] ایضاً ص ۱۵۹

طور پر مساویانہ حصہ دینا فطرت سے مقابلہ ہے...... تو اس لئے یہ نا قص رفع کیا جائے اور وہ اس طرح کہ دفعہ ۳۶ کی دی گئی کلی مساوات ختم کی جائے فرق مراتب ہر لحاظ سے ضروری ہے [1]

اس سے اگلے روز آئین کے دفعہ ۴۴ میں ایک ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

کل ایک محترمہ نے تجویز پیش کی ہے کہ خواتین کے لئے ہر شعبہ میں حصہ ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ افواج میں بھی۔ تو میں کہتا ہوں کہ آج ہماری ۹۳ ہزار فوج کافروں کے قبضہ میں ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ عورتیں ہوتیں تو آج ایسی فوج کا کیا حشر ہوتا۔ اور ہمارے لئے کتنی بدنامی ہوتی۔ ہمارے لئے دنیا میں رہنے کی صورت ہی نہ ہوتی [2]

جنس مذہب اور وطن میں عدم امتیاز کے سلسلے میں آئین کے دفعہ ۲۶ کے تحت حضرت مرحوم کی ترمیم میں بھی اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ (فحاشی اور بداخلاقی کی روک تھام کے لئے) اس دفعہ میں امتیاز برتنے کی گنجائش رکھی جائے۔ اسی طرح آئین کے دفعہ ۲۷ کے تحت ملازمتوں اور انتخابی عہدوں پر نسل و مذہب اور جنس و ذات وغیرہ کی بنا پر امتیاز کی نفی کی گئی تھی۔ چنانچہ یہ دفعہ اپنے عمومی لحاظ سے کافروں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی ملک کی صدارت تک پر فائز ہونے کا جواز مہیا کر رہا تھا۔ فریضۂ حق کی ادائیگی کے لئے اس مقام پر بھی مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا عبدالحقؒ کی مشترکہ ترمیم ۲۸۴ میں " ماسوی کلیدی اسامیوں " کے الفاظ شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

دیگر امور کی طرح حضرت شیخ الحدیث مرحوم اسمبلی میں خواتین کی موجودگی کو بھی خلاف اسلام، خلاف فطرت اور مصلحت سے بعید سمجھتے تھے۔ آپ کو ایک اسلامی سلطنت کے آئین کے اساسی مجلس میں ناقص العقل والدین صنف کے وجود پر بھی اعتراض تھا۔ چنانچہ آپ نے اسمبلی میں عورت کی رکنیت کے نمائندہ کو آئینی حیثیت دینے کی بھی کوشش کی۔ آئین کے دفعہ ۵۴ شق ۴ کے تحت جب خواتین کے لئے اسمبلی کی دس نشستیں محفوظ کرنے کا ذکر آیا تو مولانا مرحوم نے اپنی ترمیم ۳۵۵ پیش کرتے ہوئے عورتوں کی ایوان میں نمائندگی کی سرے سے مخالفت کی اور دفعہ ۵۴ کی مذکورہ شق کو حذف کرنے پر زور دیا۔

جہاں تک ملک کے سربراہ کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں بھی مولانا مرحوم کی رائے غیر مبہم تھی۔ مارچ ۱۹۷۳ء کے آئین ساز مباحث میں آئین کے دفعہ ۴۴ میں حضرت مرحوم کی ترمیم ۱۴۴ کے مطابق صدر مملکت کم از کم

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۵۔ [2] ایضاً ص ۱۲۷

چالیس سال کا مسلمان مرد ہونا چاہیئے۔ اپنی اس ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

ترمیم کی دوسری قید کے بارہ میں عرض کرتا ہوں کہ صدر مملکت مسلمان مرد ہو۔ مسلمان کی قید ضروری ہے۔ اس لئے کہ جب ملک اسلامی ہے تو اسلامی ملک میں اسلامی شریعت کا نافذ کرنے والا، اسلامی قوانین کا نافذ کرنے والا، اسلامی قوانین کو جاری کرنے والا صدر وہ شخص ہونا چاہیئے۔ جو ان قوانین پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اگر وہ اس پر عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ یہ چیزیں نعوذ باللہ صحیح نہیں ہیں۔ تو وہ پیغمبر کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے اور ان چیزوں کا نفاذ کیسے کر سکتا ہے۔ اور مسلمان تب ہی ہو گا جب ان چیزوں کو صحیح جانے اور صحیح جاننے کے بعد پھر ان کو نافذ کرے۔

ایک چیز اور باقی ہے اور وہ یہ کہ امیر مملکت ایسا شخص ہو گا جو مرد کہ شجاعت ہو جو بھارت کا مقابلہ کر سکے۔ جو کہ دوسرے موقعوں پر کافروں کا مقابلہ کر سکے۔ مورچوں پر بھی جا سکے۔ تو وہ شخص ظاہر بات ہے کہ صنف نازک (عورت) سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مرد میں یہ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں[1]

مزید فرمایا:۔

میں یہاں آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ کسریٰ کی بیٹی جب تخت نشینی ہوئی۔ اور آں حضرت ﷺ کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔

لن یفلح قوم تملکھم امرأۃ — ہرگز فلاح نہیں پائے گی وہ قوم جس کی حکمران عورت ہو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو شکست ہوئی۔

برطانیہ کی حکومت اتنی عظیم تھی کہ اس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا بلکہ جب سے ملکہ وکٹوریہ اور الزبتھ تخت نشین ہوئیں تو سلطنت پر زوال آنے لگا۔ اور بالآخر وہ ایک جزیرہ میں محصور ہو کر رہ گئی۔ تو خدا نے مردوں کو جو شجاعت دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ صنف نازک کو عطا نہیں ہوئی۔ اور وہ کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتی[2]

اس سلسلے میں سب سے واضح بات وہ ہے جو کہ آئین کے دفعہ ۴۴ پر بحث کرتے ہوئے ۱۶ مارچ ۱۹۷۳ء

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۶ [2] ایضاً ص ۱۲۷

کو مولانا نے اسمبلی کے اندر کہی۔ انہوں نے فرمایا:۔

چالیس سال کی عمر میں انبیائے کرام کو نبوت مل سکتی ہے تو خلیفۂ اسلامی کے لئے جو نائب رسولؐ ہوتا ہے۔ یہی عمر کافی ہے۔ اور اس (صدر) کا مرد ہونا اس لئے لازمی ہے کہ اس کے ذمے آئین کی نگرانی ہے۔ دوسری اقوام سے معاہدات و صلح، اسلامی امور کی نگرانی، کافروں سے مقابلہ اور افواج کی تنظیم جیسی گراں بار ذمہ داریاں ہوتی ہیں اس لئے صدر شجاعت و مردانگی کا مظہر ہونا چاہئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس کی امیر عورت ہو۔[1] (قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۶۲)

۱۹۷۳ء کے دستور میں آئینی مساعی کی ایک ادنیٰ جھلک دکھلانے کے بعد اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی علمی اور سیاسی مساعی بھی اس قدر واضح ہیں کہ کسی معاند کو بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جب اپریل ۱۹۸۶ء میں سوشلزم کے عفریت اور بے حیائی کی تحریک اور عورت کی حکمرانی اور اس کے اقتدار کے حصول کے لیے ۹ اپریل کو لاہور میں نئے اور خطرناک انقلاب کے اثرات تمام دنیا پر واضح ہو کر سامنے آگئے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ دسیوں امراض و عوارض اور نحیف و نزار جسم کے ساتھ ہزارہا خطرات کے باوجود میدانِ جہاد میں کود پڑے، ملک کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا۔ دورے کا آغاز ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو مانسہرہ میں علماء کنونشن سے خطاب سے کیا۔ جس میں تین ہزار سے زائد علماء کرام نے شرکت کرکے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی اور متفقہ طور پر آپ کو "قائدِ شریعت" کا خطاب دیا، ۱۳ اپریل کو مدرسہ تحفیظ القرآن مردان میں، ۱۶ اپریل کو مدرسہ معراج العلوم بنوں کے علاوہ مختلف مقامات پر بڑے بڑے علماء کنونشن طلب فرمائے۔ ہر جگہ علماء اور مشائخ نے آپ کے ہاتھ پر سوشلزم کے خلاف بیعتِ جہاد کی۔ ذیل میں ان مواقع پر کی گئی تقاریر کے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں ـــــ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

○ ـــــ آپ جانتے ہیں کہ میں کمزور ہوں، عوارض میں گھرا ہوا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ خریدارانِ یوسف میں نام لکھوا دوں، اگر مرتے مرتے بھی جس بات کو حق سمجھتا ہوں واضح کردوں تو یہ میرے لیے سعادت ہے۔[2]

○ ـــــ آج اگر ایک طرف اربابِ اقتدار دوغلی پالیسی اور منافقت اختیار کیے ہوئے ہیں تو دوسری طرف سوشلزم کا فتنہ پھر بیدار ہو گیا ہے، ایک طوفان ہے جس نے سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے..... ایک مداری کے پیچھے احمقوں کی دنیا جمع ہو جاتی ہے، آج ایک عورت کے پیچھے پوری قوم سرپٹ دوڑ پڑی ہے مگر یاد رکھنا! اب دین کی خدمت اور باطل کا بھرپور مقابلہ کرنا ہوگا۔[3]

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۶۲ [2] صحبتے با اہلِ حق ص ۳۲۳ [3] ایضاً ص ۳۲۰، ۳۲۱

○ —— ہمارے ملک کے سیاست دانوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے، بے نظیر کے وزارت اور اقتدار کیلئے تائید کیا تحریک شروع ہے [1]

○ —— خدارا اٹھیے! آنے والے خطرناک فتنہ سوشلزم کے عفریت اور عورتوں کی حکمرانی کے منصوبوں کا سدِ باب کیجئے، اگر تم نے غفلت کی تو عورتوں کا راج ہوگا، پورے عالم اسلام کی رسوائی ہوگی پھر خدا کے حضور کیا جواب دو گے [2]

○ —— موجودہ حالات میں خواہ مخواہ انقلاب کا کچھ فائدہ نہیں، جب تک اسلامی اور دینی انقلاب نہ ہو سوشلزم کا
کا عفریت اور اباحیت کا سیلاب چڑھا ہوا ہے، ایسے حالات میں الیکشن سے بھی بے دینوں کو فائدہ پہنچے گا، دینداروں کی تذلیل
ہوگی۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ علماء ہیں انقلاب کے نعرے لگا کر کس کی حمایت کر رہے ہیں، کس کے پلے میں انقلاب ڈال رہے
ہیں؛ خدا نہ کرے کہ عورتوں کی حکومت آجائے، پورے عالم میں رسوائی ہوگی، میں تو عورت کی حکمرانی کے تصوّر سے بھی کانپ اٹھتا
ہوں، علماء کا فرض ہے کہ وہ آنے والے گندے اور قوم و ملّت کے حق میں رسوا ترین انقلاب کے لیے رکاوٹ بن جائیں [3]

مذکورہ بالا تصریحات کے باوجود بعض کج فہم لوگوں کا ۳۰ء کے آئین میں عورت کی سربراہی کے مسئلہ میں
علمائے حق کو ساکت، اور مجرم گرداننا علماء حق بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کی ذات کے لئے تو مضر نہیں
ہوسکتا۔ البتہ یہ بات کہنے والے کے لئے کم از کم باعث ننگ و عار ہونی چاہئے۔ کیونکہ مذکورہ تفصیل میں ہم نے
فقط اس رائے کی وضاحت کی ہے۔ جو موضوع کے بارے میں آپ نے اسمبلی کے اندر ظاہر کر دی تھی۔ نجی مجالس
میں اس لعنت کے سلسلے میں جو کچھ ہم نے آپ سے سنا وہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں
کبھی کسی سیاسی مصلحت کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ اس سے بخوبی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ
حضرتؒ کس حد تک عورت کی سربراہی کے قائل تھے؟ اور آپ پر اس افتراء کی حقیقت کیا ہے؟

بعض زن مریدوں کی افتراء پردازی اور دیدہ دلیری تو انتہا کو پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ خود نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ
پر اقتدارِ زن کی حمایت کا الزام لگا دیتے ہیں اور نہایت ڈھٹائی سے اس کا پرچار بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ خیر القرون
سے لے کر اب تک قافلہ حق کے کسی بھی رہرو نے اقتدارِ زن کو قابلِ قبول نہ سمجھا۔ بلکہ اسے باعث ادبار و ہلاکت
بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے خود غرض سیاسی رہنماؤں کو نورِ بصیرت سے نوازے۔ آمین

---

[1] صحبتے با اہلِ حق ص۳۲۰ [2] ایضاً ص۳۲۳ [3] ایضاً ص۲۷۱